مشاہیر علماء سرحد

از حافظ محمد ابراہیم صاحب فانیؔ

حضرت مولانا پوردل صاحب قندھاریؒ

آپ کے نسب و ولادت خاندانی تذکرہ اور ابتدائی حالات ابھی تک مستور ہیں ۔ البتہ اجلہ مشاہیر ہیں آپ کا شمار ہوتا ہے ۔ افغانستان کے صوبہ قندھار سے تعلق رکھتے تھے ۔ اس وجہ سے قندھاری کا لاحقہ ان کے نام کا جزء بن گیا ہے ۔

تحصیل علم کے لئے افغانستان کے علاوہ سرحد اور ہندوستان کا سفر کیا ۔ صوبہ سرحد میں مشہور علمی مرکز موضع زروبی (ضلع مردان) کو تشریف لائے ۔ اور حضرت العلامہ مولانا شاہ سعید صاحب متوفی ۱۳۰۷ھ زروبی رحمہ اللہ جو کہ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب صدر المدرسین دارالعلوم حقانیہ کے نانا اور جامع العلوم شخصیت تھے ۔ علوم حکمیہ و فلسفیہ کے ساتھ اصول فقہ تفسیر اور حدیث میں آپ کو نہایت مہارت حاصل تھی ۔ لیکن معقولات میں آپ یگانہ روزگار تھے اس وجہ سے لوگ آپ کو معقولی مولوی کہا کرتے تھے ۔ آپ نے ان سے منطق و فلسفہ اصول و عقائد اور دوسرے علوم کی تکمیل کی ۔ عرصہ چار سال تک آپ ان کے زیر سایہ رہے ۔ مولانا قطب الدین صاحب غورغشتوی رحمہ اللہ مولانا سیف الرحمٰن صاحب مہاجر کابل رحمہ اللہ ان ہر دو حضرات جیسے عبقری شخصیات کے ساتھ زروبی کی مسجد بھائی خیل میں اکٹھے پڑھتے تھے ۔ ہم سبق ہونے کے ناطے ان کے درمیان گہرے دوستانہ مراسم اور بے تکلفی تھی ۔

اسناد حدیث کے لئے آپ ہندوستان تشریف لے گئے ۔ اور اس وقت کے مشہور شیخ عالم کبیر مفتی لطف اللہ بن اسد اللہ علی گڑھی متوفی ۱۳۳۴ھ اور دوسرے علماء بارعین سے تکمیل علوم کر کے سند فراغت حاصل کی تحصیل و تکمیل علوم کے بعد آپ عازم رامپور ہوئے ۔ وہاں آپ نے شادی کی ۔ اور کچھ مدت تک تدریس میں مشغول رہے ۔ رامپور سے آپ نے ٹونک کے لئے رخت سفر باندھا ۔ کیونکہ بقول ابن خلکان ہند نابغہ عصر شخصیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ، "ٹونک اس وقت درس و تدریس کا ایک بہت بڑا مرکز تھا ۔"

راجپوتانہ کے اس ریگستان میں وہیں ایک سرسبز و شاداب علمی خطہ تھا ۔ جہاں سرحد و افغانستان تک سے شمع علم کے پروانے ہجوم کرتے تھے ۔ اس وقت وہاں دو مستقل مدرسے طلباء اور شائقین علم کا ملجا بنے ہوئے تھے ۔ ایک مدرسہ خلیلیہ دوسرا مدرسہ ناصریہ ۔ پہلے کے سرپرست خود والی ریاست نواب ابراہیم علی خان مرحوم تھے ۔ یہاں حکیم برکات احمد صاحب مسند آرائے تدریس تھے جو مولانا عبدالحق خیر آبادی کے مایۂ ناز شاگرد اور ان کے علم کے وارث سمجھے

جاتے تھے اور جن کی علوم عقلیہ میں شہرت ہندوستان سے تجاوز کر کے افغانستان و یاغستان تک پہنچ چکی تھی۔ دوسرے مدرسہ ناصریہ کے سرپرست نواب صاحب کے بھائی صاحبزادہ عبدالرحیم خان تھے۔ یہاں بھی کئی جید عالم مسند درس و افادہ آراستہ کئے ہوئے تھے۔ جن میں مولانا سیف الرحمٰن صاحب ٹونکی[1] خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

مولانا سید عبدالحی الحسنی نزہتہ الخواطر ج ۸ ص ۹۳ المولوی پوردل الکابلی کے زیر عنوان رقمطراز ہیں۔

ثم سافر الیٰ طوک وولی التدریس فی المدرسة الخلیلیة بہا۔ فدرس بہا مدہ ثم اخرجہ امیر الطوک لخلاف وقع بینہ و بین الحکیم برکات احمد فسار الی دہلی و ولی التدریس فی المدرسة النعمانیہ فدرس بہا الی آخر عمرہ۔ یعنی اس کے بعد آپ ٹونک تشریف لے گئے۔ اور وہاں پہ مدرسہ خلیلیہ (جس کا تذکرہ اوپر لکھا گیا) میں مدرس مقرر ہوئے۔ کچھ مدت تک آپ وہاں مدرس تھے۔ لیکن ٹونک کے امیر نے آپ کو اس وجہ سے نکالا۔ کیونکہ آپ کے اور حکیم برکات احمد کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے[2] بعد ازاں آپ نے دہلی کا سفر اختیار کیا۔ اور وہاں مدرسہ نعمانیہ میں مدرس مقرر ہوئے اور وہاں تاعمر تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے۔

مدرسہ نعمانیہ میں صدر المدرسین جیسے اہم منصب پر فائز رہے۔ اسی دوران مولانا سیف الرحمٰن صاحب کی ایماء پر آپ مدرسہ فتح پوری چلے آئے۔ آپ کے چلے جانے سے مدرسہ کے طلبہ بھی آپ کے ساتھ اکثر مدرسہ فتحپوری میں داخل ہوئے۔ جس کا مدرسہ نعمانیہ پر بہت برا اثر پڑا۔ لیکن دوسرے دن مدرسہ نعمانیہ کے مہتمم بمعہ اہل و عیال آپ کے پاس آئے۔ اور آپ کو دوبارہ وہاں لے گئے۔

علوم عقلیہ نحو اصول اور علم کلام میں آپ اجتہادی نظر و فکر کے مالک تھے۔ چنانچہ مؤلف نزہتہ الخواطر آپ کے علمی مقام کا تعین فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کان عالماً بارعاً فی الفقہ والاصول والمنطق والکلام۔ اخذ عنہ غیر واحد من العلماء

---

[1] مولانا سیف الرحمٰن صاحب دراصل قندہاری افغان ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد ضلع پشاور علاقہ ہشت نگر میں "منگہ" نامی قصبہ میں آباد ہوئے۔ اور یہی قصبہ مولانا سیف الرحمٰن صاحب کا مولد ہے۔ عرصہ دراز تک ریاست ٹونک میں تعلیم و تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس وجہ سے آپ کے نام کے ساتھ ٹونکی کی نسبت لگائی گئی ہے۔ تفصیلی حالات کے لئے تذکرہ شیخ الہند۔ تاریخ دار العلوم دیوبند نقش حیات۔ نزہتہ الخواطر دریائے کابل سے دریائے یرموک تک تحریک تحریک شیخ الہند ذاتی ڈائری وغیرہ ملاحظہ ہوں۔

[2] غالباً ان اختلافات کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ نواب صاحب اور حکیم صاحب کے درمیان گہرے روابط تعلقات اور مراسم استوار ہونے کے علاوہ حکیم صاحب نواب صاحب کے خصوصی معالج اور طبیب تھے۔ اسی بنا پہ نواب صاحب کی طبع نازک پر مولانا پوردل صاحب کی یہ مخالفت گراں بار اور شاق گذری ہو۔

آپ نہایت ہی ذکی، بے مثال حافظہ اور مضبوط قوت استدلال کے مالک تھے۔ طبیعت میں لاابالی پن اور شوخی کی وجہ سے عبارت کی صحت وسقم کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے۔ زبان پر جیسا لفظ ادا ہوتا۔ اس کو اسی ہی طرح چھوڑ دیتے۔ لیکن جب کوئی طالب علم اس عبارت کے بارے میں سوال کرتا۔ تو غلط عبارت استحضار علمی اور بے نظیر قوت بیانی سے صحیح کر دیتے۔ اور اس پر جتنے صرفی نحوی اور منطقی شبہات وارد ہوتے ان کا تسلی بخش جواب دیتے۔ اکثر حضرات آپ کو آزمانے کی خاطر درس میں شرکت کرتے۔ لیکن جب انہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ لوگ کسی سازش کی غرض سے آئے ہیں تو اس پر نہایت برہمی کا اظہار کرتے۔ اگر کوئی طالب علم معقول اعتراض کرتا تو اس کی تائید میں کئی دلائل بیان کرتے اور تکمیل مقاصد کے لئے اس قسم کے اور بہت سے اعتراضات اپنے اوپر وارد کرتے۔ پھر ایک ایک کر کے ہر دلیل کو ضعیف اور ہر اعتراض کی رکاکت پر دلائل و توجیہات کا انبار لگا دیتے۔

سادگی خودداری اور جلال کے ساتھ ساتھ جمالی شان اور ظرافت طبع میں بھی آپ مشہور ہیں۔ مختلف لطائف ہمارے طلبہ برادری میں ان کے متعلق منسوب ہیں۔ باوجودیکہ عمر کا معتدبہ حصہ ہندوستان میں گزارا۔ لیکن اردو سیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ ازراہِ مزاح کبھی کبھی گلابی اردو بولا کرتے تھے۔ چنانچہ مولانا خان بہادر صاحب عرف مولانا مارتونگ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "مولانا کی طبیعت میں ظرافت تھی اور اردو بھی گلابی سی"۔

ان کی تصنیفات وتالیفات کے بارے میں کوئی سراغ نہیں ملا۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ اس زمانے کے پختون علماء کے رواج کے مطابق انہوں نے اس طرف توجہ نہ دی ہو۔ کیونکہ درس و تدریس ہی ان کا اوڑھنا بچھونا اور محبوب ترین مشغلہ تھا باقی گوشۂ خمول بقول شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ؎

خمولی اطیب الحالات عندی　　　واعزازی لدیہم فیہ عاری

چنانچہ مولانا پوردل صاحب کی کسی تصنیف یا آمالی کا کوئی تذکرہ کسی کتاب میں موجود نہیں۔ البتہ ان کے افادات بعض محشیین نے ذکر کئے ہیں۔

آپ کا حلقہ تلامذہ نہایت ہی وسیع تھا۔ اپنے علاقہ میں استاذ کل کے لقب سے مشہور رہیں۔ رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔　　کتابیات :۔ نزہۃ الخواطر، پرانے چراغ، نقش حیات اور علمی زندگی :

بقیہ : اسلام اور مستشرقین

اسلام کو عقل کا لاعلاج دشمن (INCUREB LE ENAMY OF EASON) قرار دیا۔

اٹھارھویں صدی کی مختصر روح فرسا روداد کا سرسری جائزہ لینے کے بعد جب قاری انیسویں صدی کی سرحد میں قدم رکھتا ہے تو اسے اندازہ ہوتا ہے کہ خلف اپنے سلف سے اور متبعین اپنے پیش رؤوں سے زیادہ متقشف، متعصب اور زہر آلود ثابت ہوئے۔ ان پر نہ تحریک تجدید کا کوئی اثر پڑا۔ نہ ہی یورپ کی روشن خیالی، رواداری اور انصاف کی تحریکات نے ان کے دل کو موم بنایا۔ شدت نفرت میں وہ اپنے بزرگوں اور متقدمین سے بھی بازی لے گئے۔